(50)

یَآاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

یہ آیت بتاتی ہے کہ امام کی کامل اطاعت نظام کو قائم رکھنے اور کامیابی حاصل کرنے کا بڑا بھاری گُر ہے

(فرمودہ 21 دسمبر 1956ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:
یَآاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ 1
اس کے بعد فرمایا:

"غزوہ اُحد ہمارے لیے اپنے اندر بہت سے سبق رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کے ایک واقعہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے جو میں نے ابھی تلاوت کی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگِ اُحد کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے تجویز کیا کہ اسلامی لشکر اپنے پیچھے پہاڑ رکھ لے تا کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ ایک پہاڑی درّہ پر جہاں سے دشمن کے آنے کا امکان ہوسکتا تھا آپ نے پچاس سپاہیوں کو اس کی حفاظت کے لیے کھڑا کر دیا اور سپاہیوں کے افسر کو تاکید کی کہ یہ درّہ اتنا ضروری ہے کہ خواہ ہم مارے جائیں یا جیت جائیں تم نے اس جگہ سے نہیں ہلنا۔ لڑائی شروع ہوئی تو پہلے ہی ہلّہ میں مسلمانوں کو فتح

نصیب ہوئی اور کفار میدان سے بھاگ نکلے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت عمرو بن العاص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب کفار بھاگے اور مسلمان اُن کے پیچھے دوڑے تو درہ پر متعین سپاہیوں نے اپنے افسر سے کہا کہ اب تو دشمن کو شکست ہو چکی ہے اب ہمیں بھی جہاد میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے۔ افسر نے اُن کو اس بات سے روکا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے ہم مارے جائیں یا جیت جائیں تم نے اس جگہ سے نہیں ہلنا۔اس لیے میں تمہیں درہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ہم فتح کے بعد بھی اس جگہ سے نہ ہلیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ مطلب تھا کہ دشمن سے اس درہ کی حفاظت کی جائے۔ لیکن اب تو دشمن بھاگ چکا ہے اور مسلمانوں کو فتح ہو چکی ہے اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم یہیں ٹھہرے رہیں۔ افسر نے کہا تم جو چاہو کرو لیکن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماتحت سپاہی پیغامی قسم کے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ ہم تو معقول بات مانیں گے غیر معقول بات نہیں مانیں گے۔ اگر افسر کی ہر بات کو مان لیا جائے تو یہ شرک ہو جاتا ہے۔ اِس وقت ہمارا افسر کہتا ہے کہ بیشک مسلمانوں کو فتح ہو گئی ہے اور کفار بھاگ گئے ہیں لیکن تم یہاں سے نہ ہلو۔ یہ حکم معقول نہیں۔ ہم اپنی عقل سے کام لیں گے اور جہاد میں حصہ لے کر ثواب حاصل کریں گے۔ اب فیوچر (FUTURE) کو کون جان سکتا ہے۔ حال کو تو ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن یہ بات مستقبل سے تعلق رکھتی تھی اور مستقبل کا علم نہ اُس افسر کو تھا اور نہ ماتحتوں کو۔ دونوں فریق نہیں جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہوگا لیکن افسر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے اِس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ اس جگہ سے نہ ہلا جائے اور ماتحت سپاہیوں کا خیال تھا کہ ہم تو صرف معروف میں اس کی اطاعت کریں گے اور معقول بات مانیں گے۔ غیر معقول بات کی اطاعت نہیں کریں گے۔ دشمن بھاگ چکا ہے اور مسلمان فوج کو فتح حاصل ہو چکی ہے۔ اب یہاں ٹھہرنا غیر معقول بات ہے جسے ہم ماننے سے قاصر ہیں۔ ہم جہاد میں حصہ لیں گے اور اس طرح ثواب حاصل کریں گے۔ گویا انہوں نے اپنی طرف رحمانی اور افسر کی طرف شیطانی بات

منسوب کی۔ بہرحال وہ افسر کو اکیلا چھوڑ کر نیچے آ گئے۔ حضرت خالدؓ کی نظر دوڑتے ہوئے اس درّہ پر پڑی۔ جب انہوں نے اسے خالی پایا تو انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کو بلایا۔ دونوں جرنیلوں نے اپنے بھاگتے ہوئے دستوں کو پھر سنبھالا اور اسلامی لشکر کا بازو کاٹتے ہوئے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جب درّہ پر پہنچے تو افسر کے ساتھ صرف چند سپاہی تھے جو درہ کی حفاظت کے لیے کھڑے تھے باقی سپاہی نیچے جا چکے تھے۔ دشمن فوج نے ان پر حملہ کر کے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کے بعد پُشت پر سے اسلامی لشکر پر حملہ آور ہو گئے۔ مسلمان سپاہی اُس وقت بکھرے ہوئے تھے۔ فوج کا ایک حصہ غنیمت کا مال جمع کر رہا تھا اور ایک حصہ دشمن فوج کا تعاقب کر رہا تھا اور مسلمان مطمئن تھے کہ درہ پر متعین دستہ کی وجہ سے اُن کی پشت محفوظ ہے۔ اس لیے جب اچانک حملہ ہوا تو منتشر اسلامی فوج مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلی۔ صرف چند صحابہ دوڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے اور دشمن نے اُس مقام پر جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے شدت کے ساتھ حملہ کر دیا جس کی وجہ سے آپ کی حفاظت کرنے والے صحابہ میں سے بڑی تعداد شہید ہو گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے اور صحابہ کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ خبر مدینہ میں بھی جا پہنچی۔ اِس پر عورتوں اور بچوں میں بھی سخت کرب پیدا ہو گیا اور وہ دیوانہ وار اُحد کی طرف دوڑ پڑے۔

یہ سارا نتیجہ صرف پیغامیت کا تھا۔ اگر بعض لوگوں کے دلوں میں یہ پیغامی عقیدہ نہ ہوتا کہ ہم نے صرف معقول بات ماننی ہے تو مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست نہ ہوتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو تکلیف نہ پہنچتی۔ بہرحال درہ کی حفاظت کرنے والوں نے پیغامی عقیدہ کے ماتحت افسر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ انہیں پتا نہیں تھا کہ معقول بات کونسی ہے۔ افسر کا حکم معقول ہے یا وہ بات جو وہ کہہ رہے ہیں وہ معقول ہے۔ کیونکہ یہ بات مستقبل کے متعلق تھی اور مستقبل کا علم نہ افسر کو تھا اور نہ ماتحت سپاہیوں کو۔ اگر تم یہ کہو کہ امام اگر چوری کا حکم دے تو کیا پھر بھی اُس کی اطاعت کی جائے گی تو ہم کہتے ہیں کہ وہ امام ہی کب رہے گا جو یہ کہے کہ چوری کرو۔ آخر وہ ایسی ہی بات کہے گا جو اجتہادی ہو گی

اور اجتہادی بات وہی ہو گی جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہو گی اور مستقبل کا علم نہ امام کو ہوتا ہے اور نہ مقتدی کو ہوتا ہے تو پھر اختلاف کس بات کا رہا۔ امام ایک ایسے زمانہ کے متعلق بات کہتا ہے جس کا نہ اُسے علم ہے اور نہ مقتدی اسے جانتے ہیں۔ پھر ماتحت کو کس نے اجازت دی ہے کہ وہ کہے کہ میں تو اپنی عقل کے مطابق کام کروں گا اور امام کی بات نہیں مانوں گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو نتیجہ وہی ہو گا جو اُحد کے واقعہ میں ہوا۔ اُحد کی جنگ میں جب بعض مسلمانوں نے بیغامیت کا مظاہرہ کیا تو اس کے نتیجہ میں دشمن شکست کے بعد جیتا۔ کفار پیچھے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق بھی خیال کر لیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ گو خداتعالیٰ نے وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ[2] کی پیشگوئی کے مطابق آپ کو بچا لیا لیکن یہ خبر مدینہ میں بھی جا پہنچی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے اُس وقت بڑے زور سے پکارا اور کہا ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مار دیا ہے۔ گویا اُس نے فخر سے اِس بات کا اعلان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شہادت اسلام کے جھوٹا ہونے کا ثبوت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوسفیان کی بات کا جواب نہ دیا تا ایسا نہ ہو کہ دشمن حقیقتِ حال سے واقف ہو کر پھر حملہ کر دے۔ جب اسلامی لشکر کی طرف سے اِس بات کا کوئی جواب نہ ملا تو ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ اُس کا خیال درست ہے۔ پھر اس نے بڑے زور سے پکار کر کہا کہ ہم نے ابوبکر کو بھی مار دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بھی حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دیں۔ پھر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا کہ ہم نے عمر کو بھی مار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جو بہت جوشیلے تھے اس کے جواب میں یہ کہنا چاہا کہ ہم لوگ خداتعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں اور تمہارا سَر توڑنے کے لیے موجود ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا عمر! خاموش رہو اور مسلمانوں کو تکلیف میں نہ ڈالو۔ جب ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تینوں کو شہید کر دیا ہے تو اُس نے بلند آواز سے کہا لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ دیکھو! عُزّٰی دیوتا ہمارے ساتھ ہے تمہارے ساتھ کوئی عُزّٰی نہیں۔ اِس پر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یَا رَسُولَ اللّٰہ! ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو لَنَا مَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ خدا تعالیٰ ہمارا والی اور نگران ہے لیکن تمہارا کوئی والی اور نگران نہیں۔ چنانچہ آپ کی یہ بات سچی نکلی۔ مسلمان پھر جمع ہوئے اور انہوں نے کفار کو شکست دے دی۔

غرض جنگِ اُحد میں جو شکست مسلمانوں کو اُٹھانی پڑی وہ محض پیغامی عقیدہ کی وجہ سے تھی۔ اگر اس وقت کوئی پیغامی عقیدہ نہ ہوتا اور وہ لوگ سمجھتے کہ ہمیں تو اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کا حکم ہے اور یہ نہ کہہ دیتے کہ فتح کے بعد بھی اس مقام پر کھڑے رہنا بیوقوفی ہے تو مسلمانوں کو شکست نہ اُٹھانی پڑتی لیکن ان لوگوں نے پیغامی عقیدہ کے ماتحت اپنے افسر کی بات نہ مانی اور اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زخمی ہو گئے اور ایسی حالت میں مبتلا ہوئے کہ صحابہؓ کو خیال پیدا ہوا کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں۔ پیغامی عقیدہ یہی ہے کہ ہر بات میں اطاعت کرنی ناجائز ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہر بات کے یہ کہاں معنے ہیں کہ چوری یا زنا کا حکم بھی اس میں شامل سمجھ لیا جائے۔ اگر کوئی امام چوری یا زنا کا حکم دے گا تو وہ آپ ہی اپنے آپ کو اسلام سے خارج کر لے گا۔

اطاعت کے مفہوم میں بہرحال وہی سوال آئے گا جو شریعت کے مطابق ہو گا اور یہ سیدھی بات ہے کہ ایسے امور میں اگر نظام کو قائم رکھنا ہے تو امام کی بات مانی جائے گی کیونکہ کسی کو کیا علم ہے کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ نہ امام کو مستقبل کا علم ہوسکتا ہے اور نہ مقتدی کو۔ پھر یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ امام کو تو مستقبل کا علم نہیں صرف مقتدی کو مستقبل کا علم ہے۔ اس لیے مقتدی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ مستقبل کے متعلق فیصلہ کر لے اور امام کے خلاف کھڑا ہو جائے لیکن امام اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ مستقبل کے متعلق کوئی اندازہ لگائے اور مقتدیوں کو کوئی حکم دے۔ اگر مستقبل کا کوئی پتا نہیں لگ سکتا تو نہ امام کو اس کا پتا لگ سکتا ہے اور نہ مقتدی کو اس کا علم ہوسکتا ہے۔ اور اگر مستقبل کا پتا لگ سکتا ہے تو امام کو بھی اس کا پتا لگ سکتا ہے اور مقتدی کو بھی اس کا علم ہوسکتا ہے۔ گویا اگر مستقبل کا پتا نہیں لگ سکتا تو امام اور مقتدی دونوں کو نہیں لگ سکتا اور اگر پتا لگ سکتا ہے۔ تو امام اور مقتدی دونوں کو

لگ سکتا ہے۔ اگر مستقبل کا علم دونوں کو ہو سکتا ہے تب بھی دونوں برابر ہو گئے اور اس صورت میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے ماتحت امام کے حکم کی اطاعت فرض ہو گئی۔ اور اگر دونوں کو پتا نہیں لگ سکتا تب بھی دونوں برابر ہو گئے اور اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے ماتحت امام کے حکم کی اطاعت لازمی ہو گئی۔ اور اُحد کی عملی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ درہ پر متعین سپاہیوں نے اپنے افسر کے سامنے عقلی دلیل پیش کی اور اس عقلی دلیل سے انہوں نے خیال کیا کہ ان کے افسر کا حکم غلط ہے اور ہم نے جو بات سمجھی ہے وہ معقول ہے مگر باوجود اِس کے کہ انہوں نے اپنے نزدیک ایک معقول بات پر عمل کیا اُن کی بات غلط نکلی اور افسر کی بات ٹھیک نکلی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شدید تکلیف پہنچی اور پھر صحابہؓ کو بھی اتنی تکلیف پہنچی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق خیال کر لیا گیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ کی خَود کا کِیل آپؐ کی پیشانی میں گھس گیا اور ایک صحابی حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے اپنے دانتوں سے اسے نکالا جس کی وجہ سے اُن کے دو دانت ٹوٹ گئے اور صحابہ کو آپ کی اِس طرح حفاظت کرنی پڑی کہ حضرت طلحہؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ آپ کے چہرہ کے سامنے اپنا ہاتھ سیدھا کر کے کھڑے ہو گئے۔ دشمن نے خیال کیا کہ وہیں تیر مارنے چاہییں جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہیں کیونکہ وہی ایک مرکزی نقطہ ہیں۔ اگر وہ ختم ہو گئے تو اسلام ختم ہو جائے گا۔ حضرت طلحہؓ نے جب دیکھا کہ چاروں طرف سے تیر آپ پر پڑ رہے ہیں تو وہ آگے آئے اور آپؐ کے چہرہ کے آگے انہوں نے اپنا ہاتھ کھڑا کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تیر پڑتے تھے لیکن حضرت طلحہؓ انہیں اپنے ہاتھ پر روک لیتے تھے۔ جنگ اُحد کے بعد کسی نے حضرت طلحہؓ سے دریافت کیا کہ جب تیر آپ کے ہاتھ پر پڑ رہے تھے تو کیا آپ کو درد نہیں ہوتی تھی اور کیا آپ کے منہ سے اُفّ نہیں نکلتی تھی؟ حضرت طلحہؓ نے جواب دیا درد بھی ہوتی تھی اور اُف بھی نکلنا چاہتی تھی لیکن میں اُف کرتا نہیں تھا۔ تا ایسا نہ ہو کہ اُف کرتے وقت میرا ہاتھ ہل جائے اور تیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرہ پر آ گرے۔

اب تم سوچ لو کہ کُجا یہ کہ اگر کسی کے ہاتھ میں ایک معمولی سی سوئی بھی چُبھ جائے

تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا اور کُجا یہ کہ ایک شخص آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ اپنا ہاتھ سیدھا کر کے کھڑا رہے اور چاروں طرف سے اُس پر تیر گر رہے ہوں اور وہ اُف تک نہ کرے۔ پھر اس بات کو بھی سوچو کہ تیر کا کافی وزن ہوتا ہے اور اُس کا آخری سِرا زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ اب تصور کرو کہ تیر کا اگلا سِرا تو زخم میں چُبھا ہوا ہو اور دوسرا سِرا نیچے لٹک رہا ہو تو کتنی تکلیف ہو گی۔ پھر وہاں ایک تیر نہیں تھا بلکہ چار چار، پانچ پانچ تیر ایک ہی وقت میں حضرت طلحہؓ کے ہاتھ میں چُبھے ہوتے تھے اور اُن کے دوسرے سِرے نیچے لٹک رہے ہوتے تھے لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُف تک نہیں کی اور اس لیے اُف نہیں کی کہ کہیں اُف کرنے سے میرا ہاتھ نہ ہِل جائے اور تیر بجائے میرے ہاتھ پر پڑنے کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرہ مبارک پر نہ پڑیں۔

غرض اِس قدر تکلیف جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کو پہنچی وہ صرف چند پیغامی عقیدہ رکھنے والوں کی وجہ سے پہنچی۔ ان چند پیغامیوں نے یہ کہا کہ یہ شرک ہے کہ کسی کی ہر بات مان لی جائے اور اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ جیسے آجکل پیغامی لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر سچا اعتراض بھی کرے گا تو وہ گنہگار ہو گا۔ اب دیکھو جنگ اُحد میں درہ کی حفاظت پر متعیّن لوگوں نے سچا اعتراض کیا تھا یا نہیں؟ پھر وہ گنہگار ہوئے یا نہیں؟ انہوں نے اپنے افسر پر سچا اعتراض کیا اور کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ منشا نہیں ہوسکتا تھا کہ جنگ ختم بھی ہو جائے تب بھی تم اس درّہ پر کھڑے رہو۔ پس انہوں نے اپنے افسر پر سچا اعتراض کیا تھا مگر پھر بھی گنہگار ہوئے اور قرآن کریم میں اُن کے اِس گناہ کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمانوں پر یہ مصیبت اس لیے نازل ہوئی کہ ان لوگوں سے غلطی ہوئی اور وہ افسر کے کہنے کے باوجود درّہ چھوڑ کر نیچے آ گئے۔ غرض جنگ اُحد اِس بات کی مثال ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے افسر پر سچا اعتراض کیا اور پھر بھی گنہگار ہوئے۔ اگر فتح ہو جاتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا جاتا کہ یَارَسُولَ اللّٰہ! کیا آپ کا یہ منشا تھا کہ اسلامی لشکر کو فتح بھی ہو جائے اور دشمن بھاگ جائے تب بھی ہم درّہ پر کھڑے رہیں؟ تو ممکن ہے کہ آپؐ فرماتے کہ یہ تو بیوقوفی کی

بات ہے۔ میرا منشا یہ نہیں تھا کہ تم لوگ فتح کے بعد بھی وہاں کھڑے رہو۔ گویا اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آتا تو ممکن تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اُن لوگوں کی ہی تائید کرتے جو درّہ چھوڑ کر نیچے آ گئے تھے مگر چونکہ یہ بات مستقبل سے تعلق رکھتی تھی اور کسی کو یہ پتا نہیں تھا کہ دشمن واپس لوٹے گا۔ اس لیے ماتحتوں نے غلطی کھائی ورنہ بظاہر فتح کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بھی یہ بات کہی جاتی تو ہوسکتا تھا کہ آپ اعتراض کرنے والوں کی بات کی ہی تصدیق کرتے اور فرماتے کہ یہ تو بیوقوفی کی بات ہے کہ دشمن بھاگ کر مکہ بھی پہنچ جائے تب بھی تم وہیں کھڑے رہو۔ اس لیے میرے حکم کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم فتح ہونے کے بعد بھی وہیں کھڑے رہو۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا کسی کو غیب کا علم تھا اور اسے معلوم تھا کہ کفار بھاگ کر مکہ پہنچ جائیں گے اور اسلامی لشکر فتح کے نقارے بجاتا ہوا مدینہ پہنچ جائے گا؟ یہ کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ ہاں! نظر یہ آ رہا تھا کہ دشمن بھاگا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو فتح ہوگئی ہے۔ مسلمان کفار کو مار رہے ہیں اور انہیں لُوٹ رہے ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھتے ہوئے درّہ سے اُتر آنے والوں کا قیاس بظاہر صحیح تھا اور اُن کے افسر کا قیاس بظاہر غلط تھا۔ مگر باوجود اِس کے کہ اُن کے افسر کا قیاس بظاہر غلط تھا پھر بھی خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے افسر کی بات کیوں نہیں مانی؟ اور چونکہ انہوں نے اپنے افسر کی بات نہ مانی اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی اور مسلمانوں کی فتح کو ایک عارضی شکست میں بدل دیا۔

پس اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ کی آیت اپنے اندر ایک بہت بڑا سبق رکھتی ہے۔ اگر لوگ اس کا صحیح مفہوم سمجھ لیں تو وہ ہر جگہ آسانی کے ساتھ صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص لازمی طور پر صحیح نتیجہ نکال لے، وہ غلطی بھی کرسکتا ہے۔ مگر پھر بھی اگر نظام کو قائم رکھنا ہے تو امام کی بات ہی مانی جائے گی۔ اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو وہی نتیجہ نکلے گا جو جنگِ اُحد میں نکلا۔ افسوس ہے کہ بعد میں بھی مسلمانوں نے اپنی نادانی سے اس سبق کو یاد نہ رکھا اور اپنے افسروں کی اطاعت کا صحیح نمونہ نہ دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو ساری دنیا مسلمانوں کے ماتحت تھی اور مسلمان حاکم تھے اور یا آج دنیا کے اکثر حصوں میں مسلمان محکومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر یہ بات

پیدا نہ ہوتی اور اگر حکومتِ بغداد کے گورنر اپنی ہی حکومت کے خلاف نہ کھڑے ہو جاتے اور یہ نہ کہتے کہ بغداد کا خلیفہ جو حکم دے رہا ہے وہ غلط ہے تو نہ بنوعباس کی حکومت ختم ہوتی اور نہ بنوامیہ کی حکومت ختم ہوتی ۔ بلکہ دونوں حکومتیں قیامت تک چلتی چلی جاتیں۔ یہ دونوں حکومتیں صرف اس لیے تباہ ہوئیں کہ ان کے بعض گورنروں نے یہ خیال کر لیا کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے عقل بخشی ہے اس لیے وہ عقل سے کام لیں گے اور ہر بات میں اپنی حکومت کی اطاعت نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومتیں نکل گئیں، اسلام کی شان و شوکت جاتی رہی اور آج مسلمان دربدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ اور یا تو مسلمانوں کے نام سے تمام دنیا ڈرتی تھی اور یا یہ حالت ہے کہ وہ اکثر جگہ محکوم اور ذلیل ہیں۔ یہ کتنا بڑا فرق ہے جو پیدا ہوا۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں رومن حکومت کی وہی حیثیت تھی جو اِس وقت امریکن حکومت کی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے جھگڑے کے وقت رومی بادشاہ نے سمجھا کہ اس وقت میں حملہ کروں اور اسلامی ملک فتح کر لوں۔ اِس کے دربار میں ایک پادری تھا جو بڑا عقلمند تھا۔ اُس نے بادشاہ کی تیاری دیکھی تو ایک بڑی گندی مثال دے کر اُسے حملہ کرنے سے روکا۔ مثال تو اُس نے بڑی گندی دی تھی لیکن اس سے جو نتیجہ اُس نے نکالا وہ صحیح تھا۔ وہ کہنے لگا بادشاہ سلامت! آپ دو کُتّے لائیں اور انہیں کچھ عرصہ بھوکا رکھ کر اُن کے سامنے گوشت ڈالیں۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ وہ گوشت دیکھ کر آپس میں لڑنے لگ گئے۔ اِس پر وہ کہنے لگا اب آپ ان پر شیر چھوڑ دیں۔ شیر کو دیکھتے ہی ان دونوں نے لڑائی بند کر دی اور وہ شیر پر جھپٹ پڑے۔ یہ مثال دے کر اُس نے کہا کہ مسلمان بھی اِس وقت آپس میں لڑ رہے ہیں لیکن جس وقت آپ نے ان پر حملہ کیا وہ اکٹھے ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ ان کی باہمی لڑائی سے کوئی غلط نتیجہ نہ نکالیں۔ پھر اُس پادری نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ پہلے ان کو خبر دے دیجیے کہ ہم حملہ کرنے والے ہیں۔ پھر دیکھیں کہ مسلمان کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ رومی بادشاہ نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ یہ خبر باہر نکلنے دو کہ ہم اسلامی ملک پر حملہ کرنے والے ہیں۔ جب یہ خبر دمشق پہنچی تو حضرت معاویہؓ نے اُسے پیغام بھیجا کہ شاید تم نے یہ سمجھا ہو گا کہ اس وقت

میرے اور حضرت علیؓ کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے اور اِس وقت سے فائدہ اُٹھا کر تم اسلامی ملک فتح کر لو گے۔ لیکن یاد رکھو! اگر تم نے اسلامی ملک کی طرف نگاہ بھی اُٹھائی تو سب سے پہلا جرنیل جو علیؓ کی طرف سے تم سے لڑنے کے لیے نکلے گا وہ میں ہوں گا۔ یہ پیغام پہنچتے ہی رومی بادشاہ نے اُس پادری کو بلایا اور کہا تم سچ کہتے تھے۔ ہمارے لیے مسلمانوں سے لڑائی کرنا بیکار ہے۔ ہم نے سمجھا تھا کہ مسلمانوں کے باہمی انتشار کی وجہ سے ہم جیت جائیں گے مگر یہ لوگ پھر بھی اکٹھے ہیں۔

اُس وقت حضرت معاویہؓ کے ماتحت صرف شام کا علاقہ تھا لیکن بعد میں بنوامیہ اور بنوعباس کی حکومتوں کے ماتحت بڑا وسیع علاقہ رہا اور وہ حضرت معاویہؓ کی حکومت سے بہت زیادہ طاقتور تھیں۔ ان کے ماتحت افریقہ کے انتہائی کونوں سے لے کر ہندوستان کے انتہائی سِرے تک کے علاقے تھے۔ عراق بھی ان کے پاس تھا، شام بھی ان کے پاس تھا، مصر بھی ان کے پاس تھا، لیبیا بھی ان کے پاس تھا، تیونس بھی ان کے پاس تھا، مراکش بھی ان کے پاس تھا مگر باوجود اِس کے وہ اس طرح گرے کہ ان میں دوبارہ اُٹھنے کی ہمت نہ رہی اور ساری دنیا میں مسلمان محکوم ہو کر رہ گئے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کے پاس ایک چھوٹی سی حکومت تھی مگر اُس میں اِس قدر طاقت تھی کہ انہوں نے روم کے بادشاہ کے دانت کھٹے کر دیئے اور جب اس نے ارادہ کیا کہ اسلامی ملک پر حملہ کرے تو انہوں نے اُسے ایسا جواب دیا کہ وہ کانپ اُٹھا اور اُس نے حملہ کا ارادہ چھوڑ دیا۔ پس دنیا میں قومی ترقی کے لیے نظام بڑی ضروری چیز ہے۔

ایک بیوقوف پیغامی لکھتا ہے کہ مبائعین کو صرف اِس لیے کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ "نظام کی کشش نے انہیں ان سے منسلک کر رکھا ہے"۔ حالانکہ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ابوسفیان کہتا کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس لیے جیتے ہیں کہ ان کے ساتھ خدا تھا، ان کے ساتھ جتھا اور نظام تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم ضرور جیت جاتے۔ حالانکہ نظام ہی خداتعالیٰ کی طرف سے ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں خداتعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ یہ محض خداتعالیٰ کا فضل تھا کہ اُس نے

تیری طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ سب مسلمان تیرے اردگرد جمع ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔3 یہ لوگ تجھے چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ گویا خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ نظام میں قائم کیا کرتا ہوں۔ پس اگر کسی جماعت کے ساتھ نظام ہے تو یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کے ساتھ ہے۔ پس یہ عجیب بات ہے جو اس پیغامی نے لکھی کہ مبائعین اس لیے جیتتے ہیں کہ اُن کے پاس نظام ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کہا جائے کہ یہ لوگ اس لیے جیتتے ہیں کہ ان کے ساتھ خدا ہے۔ کوئی ان نادانوں سے پوچھے کہ بیوقوفو! اگر ان کے ساتھ خدا ہے تو کیا پھر بھی تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تم اُدھر جاؤ جدھر خدا ہے۔ تم سے زیادہ عقلمند تو میاں نظام الدین صاحب تھے۔

میاں نظام الدین صاحب ایک صحابی تھے۔ ان کو حج کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں کئی حج کیے تھے۔ ایک دفعہ وہ حج سے واپس آئے تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ تمہارا دوست تو پاگل ہو گیا ہے۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابھی بیعت لینی شروع کی تھی اور میاں نظام الدین صاحب آپ کے پرانے دوستوں میں سے تھے۔ میاں نظام الدین صاحب کہنے لگے کہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا تمہارا دوست مرزا غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) لکھتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے ہیں۔ میاں نظام الدین صاحب کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم اِس بات سے بھرا پڑا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور مرزا صاحب تو بڑے نیک آدمی ہیں۔ وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اگر فی الواقع انہوں نے ایسا کہا ہے تو تم گھبراؤ نہیں۔ میں اس کے پاس جاؤں گا اور قرآن کریم اس کے سامنے رکھ دوں گا۔ پھر وہ مان جائے گا۔ وہ قرآن مانتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسے اس بارہ میں غلطی لگی ہے مگر وہ قرآن کو چھوڑ نہیں سکتا۔ وہ قرآن کو ضرور مانے گا۔ چنانچہ وہ قادیان آئے اور حضرت صاحب کو ملے اور کہنے لگے حضور! میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟ حضرت صاحب نے فرمایا ہاں۔ میں نے ایسا کہا ہے۔ میاں نظام الدین صاحب نے کہا کیا آپ قرآن کریم کے خلاف کہتے ہیں؟

حضرت صاحب نے فرمایا یہ قرآن کریم کے خلاف نہیں۔ میاں نظام الدین صاحب کہنے لگے یہ عقیدہ تو قرآن کریم کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا اگر قرآن کریم سے ثابت ہو جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں تو ہم مان لیں گے۔ میاں نظام الدین صاحب کہنے لگے اگر میں ایک سَو آیتیں ایسی لا دوں جن سے ثابت ہو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں تو کیا آپ مان لیں گے؟ انہوں نے خیال کیا کہ جب سارے مولوی کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں تو قرآن کریم میں سَو آیت تو ایسی ضرور ہو گی جن سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہوگا۔ حضرت صاحب فرمانے لگے میاں صاحب! سَو آیت کا کیا سوال ہے آپ ایک آیت ہی لکھوا لائیے کیونکہ قرآن کریم کا تو ایک شوشہ بھی ماننے کے قابل ہے۔ اگر آپ ایک آیت بھی لکھوا لائیں گے تو میں مان لوں گا۔ میاں نظام الدین صاحب کہنے لگے ایک سَو نہیں تو ستّر اَسّی ہی سہی۔ حضرت صاحب فرمانے لگے میاں نظام الدین! ستّر اَسّی آیتوں کی ضرورت نہیں ایک آیت ہی کافی ہے۔ میاں نظام الدین صاحب نیچے اُترتے اُترتے دس آیتوں پر آ گئے لیکن حضرت صاحب یہی فرماتے رہے کہ میاں نظام الدین! صرف ایک آیت لے آیئے میں مان جاؤں گا۔ آخر میاں نظام الدین صاحب نے کہا اچھا میں دس آیات لے آتا ہوں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی ان کے گہرے دوست تھے۔ اس لیے وہ بٹالہ گئے۔ وہاں سے پتا لگا کہ مولوی صاحب لاہور گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ لاہور گئے۔ اُن دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الاول قادیان آنے کے لیے لاہور آئے ہوئے تھے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشتہار دینے شروع کیے تھے کہ میرے ساتھ وفات و حیاتِ مسیح پر مباحثہ کر لو اور بحث یہ تھی کہ اپنے دعوٰی کے ثبوت میں احادیث پیش کی جائیں گی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے تھے کہ احادیث نہیں قرآن کریم پیش کیا جائے گا۔ دونوں طرف سے اصرار ہوتا رہا۔ آخر حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے بحث کو چھوٹا کرنے کے لیے فرمایا کہ چلو صحیح بخاری کی احادیث پیش کر دی جائیں۔ اِس پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے سمجھا کہ میری فتح ہوئی۔ جب میاں نظام الدین صاحب لاہور پہنچے تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

اہلِ حدیث کی مسجد میں اپنے دوستوں میں بیٹھے تھے اور کہہ رہے تھے۔ دیکھو! مرزا صاحب کا پہلوان نورالدین آیا۔ ادھر میں اہلِ حدیث کا پہلوان کھڑا ہوا، ہماری بحث ہوئی۔ میں نے کہا حدیث، اس نے کہا قرآن۔ میں نے کہا حدیث، اُس نے کہا قرآن۔ اور دونوں اِسی پر اصرار کرتے رہے۔ آخر میں نے اُسے یوں پٹخا اور یوں رگیدا اور اِس طرح گرایا کہ اُسے ماننا پڑا اور کہنے لگا کہ بخاری بھی پیش کر سکتے ہو۔ اتنے میں میاں نظام الدین صاحب جا پہنچے اور کہنے لگے جانے دو نورالدین کو۔ میں تو مرزا غلام احمد کو بھی جو اُن کے سردار ہیں منوا آیا ہوں۔ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا کیا منوا آئے ہو؟ میاں نظام الدین صاحب نے کہا مرزا صاحب تو کہتے تھے کہ ایک آیت ہی کافی ہے لیکن میں کہہ آیا ہوں کہ میں دس آیات لکھوا کر لا دیتا ہوں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم قرآن سے ایسی آیتیں نکلوا لاؤ تو میں اپنے عقیدہ سے توبہ کرلوں گا۔ اس لیے آپ مجھے جلدی سے حیاتِ مسیح کی دس آیات لکھ دیں۔ مولوی محمد حسین صاحب تو فخر کر رہے تھے کہ میں نے مولوی نورالدین کو پٹخا اور یوں پچھاڑا اور یوں دلیلیں دیں اور آخر وہ حدیث کی طرف آ گئے۔ میاں نظام دین صاحب کی بات سن کر انہیں غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگے بیوقوف پاگل کہیں کا۔ میں مہینہ بھر نورالدین کے ساتھ بحث کرتا رہا اور آخرکار اُسے اس طرف لایا کہ حدیث پیش کی جائے گی اور تُو پھر بحث کو قرآن کی طرف لے گیا ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کا یہ فقرہ میاں نظام الدین صاحب کو اِس طرح چُبھا کہ وہ اُسی وقت کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اچھا مولوی صاحب! پھر جِدھر قرآن اُدھر میں۔ اگر قرآن مرزا صاحب کے ساتھ ہے تو میں بھی انہیں کے ساتھ ہوں۔ اور یہ کہہ کر وہ واپس آ گئے اور قادیان آ کر بیعت کر لی۔

پس قرآن کہتا ہے کہ نظام خداتعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ تیرے ساتھ نظام ہے مگر یہ نظام تیرے ساتھ تیری وجہ سے نہیں بلکہ ہماری وجہ سے ہے۔ ہم نے تیری طبیعت کو ایسا بنایا ہے کہ لوگ تیری طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ اگر ہم تیری طبیعت کو ایسا نہ بناتے تو اتنا جتھا تیرے ساتھ نہ ہوتا جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ دہر کو گالی نہ دو۔[4] اسی طرح اِس آیت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نظام

کو بُرا بھلا کہنا ناجائز ہے کیونکہ نظام خداتعالیٰ بنایا کرتا ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب خداتعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا میں کسی کی محبت قائم کرے تو وہ پہلے جبریل سے کہتا ہے اور جبریل اپنے ماتحت فرشتوں سے کہتا ہے اور وہ ماتحت فرشتے اپنے ماتحت فرشتوں سے کہتے ہیں اور اس طرح ساری دنیا میں وہ بات پھیلا دیتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ فَيُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ۔5 پھر ساری دنیا میں اس کی قبولیت پھیل جاتی ہے۔ تو گویا نظام یا لوگوں کا کسی کے گرد جمع ہو جانا خدا کے فضل سے ہوتا ہے۔ خدا کے فضل کے بغیر نہیں ہوتا۔ چاہے اس کی کوئی وجہ ہو، لیکن وہ وجہ بھی خداتعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ تو اس پیغامی کا یہ کہنا کہ میاں صاحب کو قبولیت اس لیے حاصل ہے کہ نظام ان کے ساتھ ہے اس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنے ہیں کہ چونکہ خداتعالیٰ ان کے ساتھ ہے اس لیے لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے ہیں۔ اس سے کوئی پوچھے کہ اگر لوگ خداتعالیٰ کے ساتھ جمع نہ ہوں تو کس کے ساتھ جمع ہوں؟ یہ لوگ تو خداتعالیٰ کے دلدادہ ہیں۔ جب ان کو پتا لگ گیا کہ خدا فلاں کے ساتھ ہے تو وہ اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ گویا جدھر خدا ہوگا اُدھر ہی یہ بھی جائیں گے اور جس طرف خدا نہیں ہوگا اُس کو چھوڑ دیں گے۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک شخص ماموریت کا مدعی ہوا۔ اُس نے بہت سے رسالے لکھے مگر میں نے اُن کا کبھی جواب نہیں دیا۔ ایک دفعہ اس نے مجھے بڑے غصہ سے لکھا کہ تعجب کی بات ہے کہ آپ میری باتوں کا ردّ بھی نہیں کرتے۔ آپ بیشک مجھے مرتد قرار دیں، کافر قرار دیں مگر میری باتوں کا جواب تو دیں۔ یہ کیا وجہ ہے کہ مجھے آپ بُرا بھلا بھی نہیں کہتے؟ میں نے اسے جواب دیا کہ تم نے سمجھا تھا کہ مرزا صاحب کو لوگوں کا بُرا بھلا کہنا کوئی دنیوی بات تھی حالانکہ وہ کوئی دنیوی بات نہیں تھی۔ لوگوں نے اگر انہیں بُرا کہا تو اُن سے خداتعالیٰ نے ہی بُرا کہلوایا تا کہ لوگوں کی توجہ آپ کی طرف ہو جائے۔ تو بُرا کہنا بھی کسی کے اختیار میں نہیں۔ صرف خداتعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ تُو تو میری منتیں کرتا ہے کہ میں تمہیں بُرا کہوں۔ لیکن مرزا صاحب نے کسی سے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ کوئی انہیں بُرا کہے۔ دنیا انہیں خودبخود بُرا کہنے لگ گئی اور یہ مخالفت خداتعالیٰ کی طرف

سے تھی۔ اس لیے کہ جب لوگ کسی کو بُرا کہتے ہیں تو لوگوں کی اُس کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُس سے دریافت فرمایا کہ آپ کو احمدیت قبول کرنے کا خیال کیسے پیدا ہوا؟ وہ کہنے لگا مجھے احمدیت قبول کرنے کا خیال مولوی ثناء اللہ صاحب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا یہ کیسے؟ اُس نے کہا مولوی ثناء اللہ صاحب نے آپ کو بڑی گالیاں دی ہیں اور آپ کو بُرا بھلا کہا ہے۔ ایک دن کسی نے میرے سامنے درثمین کے بعض اشعار پڑھے تو میں نے خیال کیا کہ اگر ان شعروں میں کوئی شخص کسی کو گالیاں دیتا ہے تو وہ ضرور سچا ہوگا۔ اس لیے میں نے آپ کی بیعت کر لی کیونکہ میں نے سمجھا کہ ان شعروں کی وجہ سے تو شعر کہنے والے کی تعریف کرنی چاہیے تھی نہ کہ اس کی مذمت۔ اگر ان شعروں پر کسی کو گالیاں ملتی ہیں تو وہ صرف اِس وجہ سے ملتی ہیں کہ شیطان محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص خداتعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اس لیے وہ اپنی جان بچانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔

تو ایسی مخالفت بھی جس کی وجہ سے لوگوں کو توجہ پیدا ہو محض خداتعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مخالفت ایسی بھی ہوا کرتی ہے جس سے تباہی ہوتی ہے۔ وہی مخالفت خداتعالیٰ کی طرف سے سمجھی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں جتھا مضبوط ہو اور طاقت حاصل ہو۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت ہوئی اور اس کے نتیجہ میں ہزاروں اور لاکھوں کی جماعت آئی۔ پھر میری مخالفت ہوئی تو لاکھوں کی جماعت میرے اردگرد جمع ہوگئی۔ اگر اس مخالفت کے بعد لاکھوں لوگ میرے اردگرد جمع نہ ہوتے تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ مخالفت خداتعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ لیکن اس مخالفت کے بعد لاکھوں لوگ میرے اردگرد جمع ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ خداتعالیٰ کی طرف سے تھی اور خداتعالیٰ چاہتا تھا کہ اس کے نتیجہ میں میری طرف لوگوں کو توجہ پیدا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا نتیجہ ہمارے حق میں اچھا نکلا۔ غرض مخالفت اگر مزید طاقت پیدا کرتی ہے اور اس کا نتیجہ نظام کی مضبوطی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو وہ خداتعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور بابرکت ہوتی ہے۔

لیکن ایسی مخالفت جو کسی شخص یا قوم کو ذلیل کر دے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ثبوت ہوتی ہے۔ جیسے پچھلے دنوں ہم میں کچھ منافق پیدا ہو گئے تو غیراحمدی اخبارات نے لکھا کہ معافیاں مانگ مانگ کر ان لوگوں کے ناک رگڑے گئے ہیں لیکن پھر بھی انہیں معافی نہیں ملتی۔ اس سے پتا لگ گیا کہ خداتعالیٰ ان کے ساتھ نہیں۔ اس لیے وہ نہ صرف جماعت کی نظر میں ذلیل ہوئے بلکہ ان کے دوست اخباروں نے بھی لکھا کہ معافیاں مانگ مانگ کر ان کے ناک بھی رگڑے گئے ہیں لیکن پھر بھی انہیں معاف نہیں کیا جاتا۔ اب بتاؤ کہ کیا کبھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ والوں کے آگے ناک رگڑے تھے؟ تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ ناک مکہ والوں نے ہی رگڑے تھے اور انہوں نے ہی رگڑ رگڑا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی مظالم ہوئے لیکن آپ نے مکہ والوں کے سامنے کبھی سر نہیں جھکایا کیونکہ سچائی آپ کے ساتھ تھی۔ آپ جانتے تھے کہ جتنی مخالفت ہو گی اُتنے ہی آپ کے ساتھی بڑھیں گے اور ترقی کریں گے۔ چنانچہ دیکھ لو مکہ والے اپنی ساری مخالفت کے باوجود تباہ اور ذلیل ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کامیاب و بامراد ہو گئے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں ایک بڑا بھاری گُر بتایا ہے۔ جب تک مسلمانوں نے اس گُر کو یاد رکھا وہ جیتتے رہے اور اب بھی جماعت احمدیہ جب تک اِس گُر کو یاد رکھے گی وہ جیتتی چلی جائے گی اور دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اب بھی دیکھ لو تم بہت تھوڑے ہو اور غریب ہو مگر ساری دنیا میں تمہارے ہی مبلغ پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ مصر کے مخالف ترین اخبار ''الفتح'' نے لکھا تھا کہ تیرہ سَو سال میں مسلمانوں میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں مگر غیر مسلموں میں جتنی تبلیغ احمدیوں کی ہے اتنی ان بادشاہوں نے بھی نہیں کی۔ پس غریب ہونے کے باوجود جماعت احمدیہ کو اس قدر تبلیغ کی توفیق ملنا بتاتا ہے کہ خداتعالیٰ کا ہاتھ تمہارے اوپر ہے۔ اگر خداتعالیٰ کا ہاتھ تمہارے اوپر نہ ہوتا تو تم وہ کام نہ کر سکتے جو بڑے بڑے مسلمان بادشاہ بھی نہیں کر سکے۔ پس جماعت کے اندر جو تنظیم پائی جاتی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے

کہ خداتعالیٰ اس جماعت کے ساتھ ہے۔ پھر تنظیم اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جماعت کی مخالفت محض شیطانی چڑ کی وجہ سے ہو رہی ہے اور جس کے ساتھ خداتعالیٰ ہو اُس کے خلاف چلنا مولوی محمد حسین بٹالوی والی بات ہے۔ میاں نظام الدین صاحب اُس کے ساتھ تھے جس کے ساتھ خدا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مولوی محمد حسین بٹالوی سے یہی کہا کہ جدھر قرآن اُدھر میں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اُدھر تھے جدھر قرآن نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ حدیث جو ظنی چیز ہے وہ جدھر جائے اُدھر میں جاؤں گا اور میاں نظام الدین صاحب کہتے تھے کہ قرآن یقینی چیز ہے۔ جدھر قرآن جائے گا اُدھر میں جاؤں گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میاں نظام الدین صاحب ہدایت پا گئے اور مولوی محمد حسین بٹالوی ناکام ہوئے اور انہیں اس دنیا میں بھی اتنی ذلت اور ناکامی دیکھنی پڑی جو شاید ہی اَور کسی بڑے لیڈر کو دیکھنی پڑی ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ایک دفعہ پادریوں نے مقدمہ دائر کیا تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی ان کی طرف سے گواہ بن کر عدالت میں پیش ہوئے۔ جب وہ مجسٹریٹ کے سامنے گئے جو ڈپٹی کمشنر تھا تو اُس نے انہیں کرسی نہ دی۔ اِس پر وہ غصہ کی وجہ سے ڈائس(DAIS) پر چڑھ گئے اور کہنے لگے میں گورنر کو بھی ملتا ہوں تو وہ مجھے کرسی دیتا ہے پھر آپ نے مجھے کرسی نہیں دی۔ مجسٹریٹ نے کہا مولوی صاحب گورنر کے پاس تو کوئی چوڑھا بھی چلا جائے تو وہ اُسے کرسی دیتا ہے۔ مگر وہ اُس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص پرائیویٹ ملاقات کے لیے جائے۔ یہ تو عدالت ہے اور عدالت میں کرسی اُس کو ملے گی جو اس کا مستحق ہے۔ جب وہ پھر بھی نہ ہٹے تو مجسٹریٹ انہیں ڈانٹ کر کہنے لگا دور ہٹ جا اور جُوتیوں میں بیٹھ جا۔ اِس پر وہ باہر آ گئے اور اِس خیال سے کہ باہر کے لوگوں کو اُن کی ذلت کا پتا نہ لگے برآمدہ میں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ اب چپڑاسی بھی اُدھر ہوتا ہے جِدھر مجسٹریٹ ہو۔ عدالت کے چپڑاسی نے وہ سب کچھ دیکھا تھا جو اندر پیش آیا تھا۔ اُس نے مولوی محمد حسین صاحب کو کہا کہ کرسی چھوڑیئے اور یہ کہتے ہوئے اُس نے انہیں کرسی سے اُٹھا دیا۔ اِس طرح انہیں وہ جھوٹی عزت بھی نہ ملی جو وہ دوسروں کی نظر میں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد وہ عدالت سے باہر آ گئے۔ باہر سینکڑوں لوگ یہ دیکھنے آئے تھے

کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی کیا عزت ہوتی ہے اور مرزا صاحب کو کیا ذلت پہنچتی ہے۔ جب مولوی صاحب اُن لوگوں کے پاس آئے تو انہوں نے خیال کیا کہ عدالت میں تو جو ذلت ہوئی سو ہوئی یہاں ان لوگوں سے ہی عزت کروا لوں۔ سامنے ایک چادر بچھی ہوئی تھی اور بدقسمتی سے وہ ایک احمدی دوست کی تھی۔ مولوی صاحب اُس پر بیٹھ گئے۔ پاس ہی سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس احمدی دوست نے مولوی صاحب کو اپنی چادر پر سے بھی اُٹھا دیا۔ کہنے لگا میری چادر چھوڑ یئے اور اسے ناپاک نہ کیجیے۔ آپ عیسائیوں کی طرف سے گواہی دینے آئے ہیں۔

اَب دیکھ لو جس کو خداتعالیٰ چھوڑ دے دنیا میں اس کی کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا۔ مولوی محمد حسین صاحب اپنے آپ کو اہلِ حدیث کا ایڈووکیٹ کہا کرتے تھے لیکن اہلِ حدیث کا ایڈووکیٹ اور لیڈر ہونے کے باوجود وہ ذلیل ہوئے اور حضرت مرزا صاحب جن کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا وہ معزز ہو گئے۔ ان کو خداتعالیٰ نے وہ عزت دی کہ آج ساری دنیا میں آپ کا نام لیا جاتا ہے۔ کیا یورپ، کیا امریکہ اور کیا ایشیا سب میں آپ کے نام لیوا پائے جاتے ہیں۔ انڈونیشیا، فلپائن، ملایا، برما، سیلون، ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ایران، شام، عراق، فلسطین اور دوسرے کئی ممالک میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو حضرت مرزا صاحب کو دعائیں دیتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ کے ذریعہ اُن تک اسلام پہنچا۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے نام کو بھی وہ نہیں جانتے۔ جس طرح گوجرانوالہ کے مدعی نبوت نے مجھے لکھا تھا کہ اگر آپ میری تعریف نہیں کرتے تو میری مذمت ہی کر دیں۔ اِسی طرح مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی روح کہتی ہوگی کہ اے انگلستان کے لوگو! تم میری تعریف نہیں کرتے تو مجھے گالیاں ہی دو۔ اور وہ کہتے ہوں گے بیوقوف! تیرا تو نام بھی ہم نہیں جانتے تجھے گالیاں کیسے دیں۔ تیرا تو نام بھی خداتعالیٰ نے مِٹا دیا ہے اور وہ ہم تک نہیں پہنچا۔ لیکن مرزا صاحب کا نام ہم تک عزت سے پہنچا ہے اور تیرا نام ذلت سے بھی نہیں پہنچا۔ پس ہمارے نزدیک تیری کوئی حیثیت نہیں اور گالیاں دینے کے لیے بھی کوئی حیثیت چاہیے۔ آخر کُتّا کاٹتا ہے تو انسان اُسے پتھر مارتا ہے لیکن اگر کوئی مرغا کسی کے پیچھے آ رہا ہو تو اُسے

کوئی نہیں مارتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس مُرغے نے تو کاٹنا ہی نہیں۔ اگر تو ہمارے مذہب پر حملہ کرتا اور تیری وجہ سے ہمارا مذہب خطرہ میں ہوتا تو ہم تیرا نام ذلت سے لیتے مگر تیری وجہ سے ہمارا مذہب خطرہ میں نہیں پڑا۔ مذہب خطرہ میں پڑا ہے تو وہ مرزا صاحب کی وجہ سے پڑا ہے۔ اس لیے اگر ہم گالی دیں گے تو مرزا صاحب کو دیں گے۔ اور اگر ہمیں اسلام نصیب ہوا تو وہ مرزا صاحب کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس لیے اگر ہم تعریف کریں گے تو مرزا صاحب کی کریں گے تجھے تو ہم پوچھتے بھی نہیں۔ کیونکہ تیری کوئی حیثیت بھی ہمارے ملک میں نہیں۔ ہمارے ملک میں مرزا صاحب کو حیثیت حاصل ہے جنہوں نے ہمارے مذہب پر حملہ کیا ہے۔ اس لیے اگر ہمیں گالی دینے کا شوق آئے گا تو ہم مرزا صاحب کو دیں گے اور اگر ہم پر اسلام کی صداقت کھل جائے گی اور تعریف کریں گے تو مرزا صاحب کی کریں گے تجھے ہم گالیاں بھی نہیں دیں گے۔ ہمارے ملک میں تجھے کوئی آدمی بھی نہیں جانتا۔ ہم صرف مرزا صاحب کو جانتے ہیں"۔ (الفضل 5 مارچ 1957ء)

1: النساء: 60

2: المائدة: 68

3: آل عمران: 160

4: مسلم کتاب الالفاظ من الادب باب النهی عن سب الدهر

5: بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکة